باغ و بہار

میر امن کی تحریر کردہ ''باغ و بہار'' کی اشاعت نے اردو داستان کی روایت کو جو تقویت عطا کی، وہ کم داستانوں نے کیا، دراصل 'سب رس' سے 'باغ و بہار' تک کے سفر میں داستان نے کئی صدیاں عبور کیں۔ 'باغ و بہار' سے قبل داستان کی زبان اور اسلوب ایسا تھا کہ عام قاری کی داستانوں سے دوری بنی رہی۔ 'باغ و بہار' میں میر امن نے جب دہلی کی ٹکسالی زبان کا استعمال شروع کیا، تو داستان کو پر لگ گئے، داستان عام قاری تک جا پہنچی۔ میر امن کی زبان کی عمومیت نے نے صرف 'باغ و بہار' کو بے انتہا مقبولیت عطا کی بلکہ میر امن کی شہرت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ میر امن نے کوئی نیا قصہ بیان نہیں کیا تھا۔ یہ وہی 'قصہ چہار درویش' تھا جو پہلے فارسی میں رقم ہوا۔ جس پر امیر خسرو کی تخلیق ہونے کا دعویٰ بہت دنوں تک عام رہا، پھر یہ دعویٰ بھی خارج ہوا۔ یہ وہی قصہ چہار درویش تھا جو فارسی اور اردو میں میر امن سے قبل متعدد بار قلم بند ہوا۔ اردو میں عطاء الرحمٰن خاں تحسین نے، نوطرزِ مرصع کی شکل میں اسے داستان کے قالب میں ڈھالا۔ متعدد شعرا نے اسے منظوم بھی کیا۔ مثنویوں میں استعمال ہوا۔ اتنے پرانے قصے اور موضوع کو میر امن کے قلم نے جو جلا بخشی، وہ اس قصے کو قبل میں نصیب نہیں ہوئی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ میر امن کی زبان تھی۔ 'باغ و بہار' اردو کی مقبول ترین داستانوں میں سے ایک ہے۔ میر امن اور 'باغ و بہار' کا ایک اور بڑا کارنامہ اردو زبان کو قعرِ ثقالت سے نکال کر عام فہم بنانا بھی ہے۔ اردو نثر کو عوام تک پہنچانے اور اس کی ثقالت کم کرنے کا سلسلہ بھی میر امن اور ان کی داستان 'باغ و بہار' سے ہی شروع ہوتا ہے جو غالب، سر سید، مولانا محمد حسین آزاد تک دراز ہوتا چلا گیا اور نثر کو عوام میں شہرت اور مقبولیت نصیب

ہوئی۔ 'باغ و بہار' پر مزید گفتگو سے قبل اس قصے پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے۔

تلخیص

''باغ و بہار'' کی کہانی ''نوطرزِ مرصع'' کی ہی کہانی ہے۔ یعنی آزاد بخت ملک روم کا بادشاہ ہے۔ ریاست میں ہر طرف امن وامان ہے۔ عوام پرسکون اور خوش حال ہے۔ آزاد بخت اولاد سے محروم ہے۔ مایوسی اور ناامیدی نے بادشاہ کو سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ سلطنت میں بے چینی اور بدامنی پھیلتی دیکھ وزیر نے بادشاہ کو خدا کے دربار میں رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ آزاد بخت نے وزیر کا مشورہ مان لیا ہے۔ آزاد بخت ایک رات بھیس بدل کر قبرستان کی طرف چلا جاتا ہے۔ اندھیری رات ہے۔ تیز ہوائیں چل رہی ہیں کہ بادشاہ کو دور سے آگ کا ایک شعلہ نظر آتا ہے۔ سوچتا ہے کہ یہ کیا طلسم ہے جو آندھی میں دیا روشن ہے۔ پاس جا کر دیکھتا ہے کہ چار فقیر خاموش بیٹھے ہیں۔ بادشاہ چھپ کر بیٹھ جاتا ہے تا کہ ان کا احوال جان سکے۔ رات گزارنے کے لیے چاروں فقیر اپنی اپنی کہانی سناتے ہیں۔ پہلا یمن کے ملک التجار خواجہ احمد کا بیٹا ہے۔ باپ کے انتقال کے بعد باپ کی دولت سے عیش وعشرت کی زندگی گزارتا ہے۔ دولت ختم ہو جاتی ہے۔ فاقوں کی نوبت ہے وہ لاچار اپنی بہن کے گھر چلا جاتا ہے۔ بدنامی کے ڈر سے بہن اسے کچھ روپے دے کر ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ روانہ کر دیتی ہے۔ لیکن یہ پھر عجیب حالات میں عشق میں پھنس جاتا ہے۔ وہاں بھی ناکامی ہوتی ہے۔ خودکشی کا ارادہ کرتا ہے کہ ایک نقاب پوش آ کر اسے بچا لیتا ہے اور ملک روم جانے کے لیے کہتا ہے۔ اسی طرح دوسرا درویش فارس کا شہزادہ ہے۔ وہ دربدر بھٹکتا ہے۔ آخر میں خودکشی کرنا چاہتا ہے کہ اسے بھی ایک نقاب پوش بچا لیتا ہے۔

دوسرے درویش کی کہانی پوری ہونے تک رات گزر جاتی ہے۔ بادشاہ آزاد بخت اپنے محل میں واپس چلا جاتا ہے اور ان چاروں فقیروں کو اپنے دربار میں بلا کر ان کی خاطر تواضع کرتا ہے۔ وہ ڈر جاتے ہیں۔ بادشاہ پہلے ان کا ڈر دور کرنے کے لیے اپنا حال بیان کرتا ہے۔ بادشاہ کے بیان میں خواجہ سگ پرست کی کہانی شامل ہے۔ آزاد بخت کے بعد تیسرا فقیر اپنا قصہ سناتا ہے۔ تیسرا فقیر عجم کا بادشاہ زادہ ہے۔ ایک دن شکار کے لیے جنگل

Scanned by TapScanner

کی ہلکی سی آنچ میں پکا کر فنی مہارت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یوں تو پوری داستان میں مافوق فطرت عناصر اور حقیقت آمیز عناصر کی یکجائی ہے اور دونوں عناصر کی یہی یکجائی داستان کو دلچسپ اور قابل مطالعہ بناتی ہے۔ لیکن اس داستان کا سب سے اہم اور خاص پہلو اس کی زبان ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''غرض جب شہر کے دروازے پر گیا، بہت رات جا چکی تھی، دربان اور نگاہ بانوں نے دروازہ بند کیا تھا۔ میں نے بہت منت کی کہ مسافر ہوں، دور سے دھاوا مارے آتا ہوں اگر کواڑ کھول دو، شہر میں جا کر دانے گھاس کا آرام پاؤں۔ اندر سے گھڑک کر بولے۔ اس وقت دروازہ کھولنے کا حکم نہیں۔ کیوں اتنی رات گئے تم آئے جب میں نے جواب صاف ان سے سنا۔ شہر پناہ کی دیوار تلے، گھوڑے پر سے اتر، زین پوش بچھا کر بیٹھا۔ جاگنے کی خاطر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ جس وقت آدھی رات ادھر اور آدھی رات ادھر ہوئی، سنسان ہو گیا، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک صندوق قلعے کی دیوار پر سے نیچے چلا آتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں اچنبھے میں ہوا کہ یہ کیا طلسم ہے؟ شاید خدا نے میری حیرانی و سرگردانی پر رحم کھا کر، خزانہ غیب سے عنایت کیا۔ جب وہ صندوق زمین پر ٹھہرا، ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا دیکھا تو کاٹھ کا صندوق ہے۔ لالچ سے اسے کھولا، ایک معشوق، خوبصورت، کامنی سی عورت، جس کے دیکھنے سے ہوش جاتا رہے، گھائل لہو میں تربتر آنکھیں بند کیے پڑی کلبلاتی ہے۔''

[داستان سے افسانے تک، وقار عظیم، ص 07-206]

زبان کا ایک اور جلوہ دیکھیں۔ یہاں با محاورہ اور مقفع و مسجع نثر کا مزہ بھی ملتا ہے اور آسان زبان ہونے کے سبب سب کچھ سمجھ میں بھی آتا ہے:

''مجھے جو کم بختی لگی، دروازہ بند نہ کیا، ایک بڑھیا شیطان کی خالا، اس کا خدا کرے منہ کالا، ہاتھ میں تسبیح لٹکائے، برقع اوڑھے، دروازہ کھلا پا کر نڈھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑے ہو کر، ہاتھ اٹھا کر دعا دینے لگی کہ الٰہی! تیری نتھ چوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں۔''

[داستان سے افسانے تک، وقار عظیم، ص 98-97]

درج بالا اقتباسات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ باغ و بہار اردو کی رواں نثر یعنی عام فہم بول چال میں تحریر کی جانے والی ایسی داستان ہے جو حقیقی اور مافوق فطرت عناصر کی آمیزش ہے جس سے فکشن کی مضبوط و مستحکم اساس تیار ہوتی ہے۔ 'باغ و بہار' جیسے فن پاروں سے ناول کی راہیں کھلتی ہیں۔

●●●